

قرآن کی تفسیر میں علوم عربیہ کا کردار: ایک تحقیقی جائزہ

A Critical Analysis of the Role of 'Arabic Sciences in Qurānic Exegesis

ڈاکٹر مسرت جمال^{II}

فلک ناز^I

Abstract

It is the excellence of 'Arabic that the Holy Qurān has been revealed in this language. The Holy Qurān has described this language as the most eloquent and pure means of conversation. The 'Arabic Tafsīr are the original and most authentic sources of Tafsīr. The most acceptable Tafsīr is Tafsīr of Qurān by Qurān itself, Tafsīr by Sunnah, Tafsīr by the sayings of the Ṣaḥābah and then by language and opinion. In this research paper the role of 'Arabic sciences has been highlighted about its application in Tafsīr. The arguments have been added in shape of various examples from 'Arabic literature. It shall also explore the need and importance of knowing the 'Arabic for Mufassirs.

Key Words: Qurān, Tafsīr, Opinion, Mufassir, Ṣaḥābah

تمہید

قرآن جو کہ اسلامی شریعت کا پہلا ماخذ اور تمام اسلامی علوم و فنون کا منبع و سرچشمہ ہے۔ اس کی تعلیمات عموماً مجمل ہیں، جن کی تفصیل میں قیامت تک آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اس کے مطالب و معانی معلوم کرنے اور انہیں آشکارا کرنے کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ جس کی ابتدا نبی کریم ﷺ کے دور سے ہوئی، کیونکہ صحابہ کرام کو جب اس کے معانی و مطالب میں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو آپ ﷺ سے پوچھتے، آپ ﷺ اس کی وضاحت فرماتے۔ یہی سے تفسیر کی ابتدا ہوئی اور آپ ﷺ ہی قرآن کے پہلے مفسر تھے۔ پھر صحابہ کرام میں بھی کئی افراد نے اس تفسیر میں اپنی مہارت

I پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف عربک، یونیورسٹی آف پشاور

II پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف عربک، یونیورسٹی آف پشاور

حاصل کیں، پھر تابعین اور تبع تابعین نے بھی اس فن میں اپنا لوہا منوایا اور بڑی بڑی تفسیریں وجود میں آئیں۔ کیونکہ اس علم کی تحصیل کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ¹

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

اس حدیث کی روشنی میں تعلیم کے میدان میں قرآن کا سیکھنا سب سے بڑھ کر اہم ہے۔ اور دوسرے تمام علوم میں قرآنی علوم کی حیثیت سب سے زیادہ اس لیے ہے کہ قرآن تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ قرآن پاک علوم و فنون کا وہ بحر موجزن ہے کہ اس میں غوطہ لگانے والا شخص بیش بہا جوہر تو سمیٹ لے گا، لیکن یہ دعویٰ کبھی نہیں کر سکے گا کہ وہ اس سمندر کے تمام ذخائر دریافت کر چکا ہے۔ اس طرح قرآن کو سیکھنے اور سکھانے والا قرآن کریم کی کچھ اطراف سے تو حصہ لے لے گا، لیکن تمام اطراف کا احاطہ کبھی نہ کر سکے گا۔

قرآن چونکہ لامحدود علوم و فنون کا خزانہ ہے اس لیے قرآن کی تفسیر اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کا مفسر چند لازمی علوم میں ضرور درک رکھتا ہو جس کا تعلق قرآن کی زبان یعنی عربی سے ہے، ورنہ اس کے بغیر قرآن میں بات کرنا پنی رائے پیش کرنا ہے، جس کی بہر صورت ہمیں ہر گز اجازت نہیں ہے۔

زیر نظر مقالہ میں قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے وہ شرائط ذکر کی گئی ہیں جو مفسر قرآن کے لیے ضروری ہیں، جن میں سب سے اہم عربی زبان سے واقفیت اور اس کے علوم میں مہارت ہے۔ قرآنی نص کا درست پڑھنا ہی درحقیقت اس کی نصف تفسیر ہے اور درست پڑھنے کا تعلق، پڑھنے والے کا عربی زبان سے صحیح واقفیت کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ قرآن کی صحیح تلاوت کے لیے عربی زبان کے قواعد و علوم سے واقفیت از حد ضروری ہے۔ مسلمان علماء قرآن کی تفسیر میں کافی عرصہ سے مشغول ہیں اور کسی مفسر کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے الفاظ، تراکیب، معانی اور ظاہری دلالت پر اعتماد کرے۔² جیسے کہ بعض علماء نے اپنی رائے اور خواہشات کو تفسیر میں ملایا۔ جب کہ ایسا کرنے سے قطعی طور پر منع کیا گیا ہے اور ثبوت کے طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

"جس نے قرآن میں بغیر علم کہ کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"³

چند مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اس بات کا خاص اہتمام کیا تاکہ وہ اس تاویل سے دور نہ ہو جائیں جو مراد سے برعکس ہو۔ اور انہوں نے تفسیر میں خلاف الانواع کو جائز قرار دیا جسے محدثین تعدد قراءات کا نام دیتے ہیں۔ علامہ بدر الدین

زرکشیؒ نے اپنی کتاب ”البرہان“ میں قرآن کے علوم کی ۷۴ انواع ذکر کی ہیں، جب کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ”الاتقان“ میں قرآنی علوم کی ۸۰ انواع ذکر کی ہیں۔ مفسر قرآن کو چاہیے کہ وہ ان علوم کا خوب اہتمام کرے تاکہ وہ تفسیر کی قدرت پاسکے یا اہلیت کا حامل ہو سکے، کیونکہ مسلمانوں کو تفسیر کے معاملے میں حد سے زیادہ حفاظت اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

ابن ابی دنیا نے کہا کہ یہ علوم تفسیر کے لیے آیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی مفسر بھی اس وقت تک قرآنی تفسیر کی اہلیت نہیں پاسکتا جب تک وہ ان علوم کو حاصل نہ کر لے۔ اور جو ان علوم کو سیکھے بغیر تفسیر کرے گا توہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والا ہوگا جس سے روکا گیا ہے⁴۔

امام سیوطیؒ نے ۸ علوم ایسے بیان کیے ہیں جنہیں خاص طور پر مفسر کو سیکھنا لازم ہیں اور ان کا تعلق بلا واسطہ عربی زبان سے واقفیت کیساتھ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک تفسیر کی چار اقسام ہیں⁵:

1. ان میں ایک قسم وہ ہے جو عربوں کے کلام سے آپ پہنچانے لگے۔
2. دوسری قسم وہ جو کوئی اپنی جہالت یا لاعلمی کی وجہ سے کرے اور وہ قابل معافی یا معذور نہیں ہے۔
3. تیسری قسم وہ ہے جیسے صرف علماء جانتے ہیں۔
4. چوتھی قسم وہ ہے جسے صرف اللہ جانتا ہے، اور اس کا اشارہ اس آیت سے ملتا ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ⁶

"اللہ وہ ذات ہے جس نے مضبوط آیات نازل فرمائیں، یہی اصل کتاب ہے، اس کے علاوہ متشابہات ہیں۔ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا پیچھا کرتے ہیں وہ فساد چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے تاویل پیش کرتے ہیں جب کہ اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تمام آیات پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ سب اللہ کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔"

آیات محکمہ اور متشابہ کی تفسیر میں مختلف اقوال پیش کیے جاتے ہیں⁷۔ بہت سی احادیث مبارکہ اور اقوال ان کے پڑھنے اور تاویل کرنے کے معاملے میں احتیاط پر مجبور کرتے ہیں اور اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ان آیات کی تفسیر بہت سی پوشیدہ

تراکیب اور معانی و اسرار کی حامل ہیں، اس لیے احتیاط کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"قرآن سات آحرف پر نازل ہوا ہے اور ہر آیت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے" 8۔

آپ ﷺ سے یہ بھی روایت ہے:

"قرآن کی نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں جس کا ظاہر اور باطن نہ ہو۔ اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کا مطلع ہے" 9۔

اور اس ظاہر و باطن اور حد اور مطلع کی بکثرت تاویلات پیش کی گئی ہیں۔ علماء کرام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ قول پیش کرتے ہیں جو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ کو خوارج کی جانب روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"ان کے ساتھ قرآن سے جھگڑانہ کرنا، کیونکہ بیشک قرآن کئی رخ رکھتا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ سنت سے بحث کرنا" 10۔

حضرت ابوذر داء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

"کوئی شخص بھی قرآن کو مکمل طور پر اس وقت سمجھ نہیں سکتا جب تک کہ وہ قرآن کی مختلف جوانب سامنے نہ رکھے" 11۔

یہ ایک عمدہ اور دائم نص کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کی متعدد قراءات ہوں۔ اور قرآن متعدد قراءات کا حامل ہے اور ایک ہی زمانے میں اس کی نہ صرف کئی تفاسیر ہیں، بلکہ مختلف زمانوں میں مختلف تفاسیر بھی ہیں۔ اس کے باوجود اس کی قراءات اور اس کے فہم میں اختلاف باقی ہے جو متنوع الحدود کی وجہ سے مقبول ہے، تاکہ قراءات میں تاویل و فہم کے تضاد کی وجہ سے کوئی اختلاف نہ رہے۔ نص کو جاننے کے لیے اس کے ظاہری اور پوشیدہ معانی جاننا کافی نہیں ہے، کیونکہ اس سے حقیقی معانی تک رسائی ممکن نہیں۔ یقیناً نص اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں موجود الفاظ کے سیاق کی باریکیوں کو بھی اچھے طریقے سے سمجھا جائے۔ اس آیت کریمہ کا ظاہر واضح ہے:

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ 12

"جب تو نے مٹی پھینکی، تو وہ تو نے نہیں پھینکی، بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔"

لیکن اس نص کا حقیقی معنی پوشیدہ ہے، کیونکہ اس میں مٹی پھینکنے کا ذکر بھی ہے اور اس کی نفی بھی ہے اور یہ دونوں معنی ظاہر میں متضاد ہیں۔ اسی طرح اللہ کا یہ قول ہے:

فَاتْلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ 13

"قتل کرو انہیں، اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور انکے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔"

پس جب وہ قتل کرنے والے ہیں تو پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کیسے عذاب دینے والا ہے؟ پھر انہیں جہاد کا حکم دینے سے کیا مراد ہے؟ 14

مفسرین نے تفسیر میں دو طریقے اپنائے ہیں، ایک طریقہ اعراب کے ذریعے سے تفسیر کرنا یعنی قواعد صرف و نحو کی تطبیق کرنا، اور دوسرا طریقہ معنی کی تفسیر کرنا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعراب کے ذریعے سے تفسیر کرتے ہوئے قواعد نحویہ کو دیکھا جائے گا، اور معانی کی تفسیر میں مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا¹⁵۔ اسی لیے مفسر اعراب تفسیر میں قواعد نحویہ کے تقاضوں میں پڑا رہے گا اور خاص طور پر مذاہب نحویہ اور حقیقت و مجاز کے مسئلے میں تجاوز اور قرآن میں اس کی موجودگی یا عدم موجودگی کو ثابت کرنا ہے۔ کبھی کبھی اعراب و معنی ایک ہی چیز میں اس طرح سے جذب ہو جاتے کہ ایک ہی کلام کے اندر معنی کام کرنے کا حکم لاگو کرتا ہے اور اعراب اس کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ معنی کی صحت کو قائم رکھنے کے لیے اعراب کی صحت کی تاویل کی جاتی ہے¹⁶۔ یہ بات قواعد نحویہ کی رو سے نحویین کے خلاف جاتی ہے۔ یہ تمام امور قرآن کی تفسیر میں دقت نظر اور مہارت لغت کے ساتھ ساتھ اس کے رموز و اسرار کے استعمال کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی مفسر کے لیے یہ ہر گز جائز نہیں کہ وہ عربی علوم کو سیکھے بغیر تفسیر کے میدان میں قدم رکھے۔

لغت اور معرفت لغت

زبان انسانی عقل کے لیے آئینہ ہے اور یہ فکر و فہم کا ذریعہ ہے جیسے کہ یہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے قیمتی ورثہ کی حفاظت اور باہمی اتصال اور تعبیر کا ذریعہ ہے۔ زبان کی پہچان سے انسان راہنمائی سے قبل زمانہ کی تاریکیوں اور بول بلیوں میں زندگی گزارتا تھا۔ پھر زبان اس کے لیے سبب راہنمائی اور مقصود منزل بنی اور وہ ایجاد کے میدان میں آگے بڑھا۔ قرآن کی بیانی تفسیر کو بعض مفسرین نے زبان کی خاصیت کی بنیاد پر فضیلت دی ہے۔ کیونکہ یہ بیانی فضیلت کلام اللہ کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔ جس کی ضرورت زبان کو اپنے تمام صوتی، صرفی، نحوی، بلاغی اور مختلف دلالت کے اظہار کے لیے پڑتی ہے۔

معرفت لغت کی تالیف

لغوی معرفت سے مراد وہ تمام نظریاتی تصورات ہیں جو لغت کی بناوٹ میں کام کرتے ہیں۔ کافی عرصہ سے علماء کرام کو قرآنی نصوص نے مختلف زاویوں سے مصروف رکھا تا کہ وہ اس کے کلمات، اس کی تراکیب، قراءات کے قواعد، اس کے احکام کی معرفت اور مختلف دلالی صورتوں میں غور و فکر کریں، اور اسی چیز سے عربی علوم نے جنم لیا۔ ابوالاسود الدؤلی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جب ان کے کہنے پر آیات پر اعراب لگائے اور بعض قواعد وضع کیے۔ جیسے کہ روایات میں ہے کہ یہ نقاط کی

پہلی باضابطہ لغوی کوشش ہے جس سے لغوی کاوشوں نے مختلف مراحل طے کیے یہاں تک کہ علم الاعراب کو جنم دیا¹⁷۔ اور "اعراب" کی اصطلاح اپنی دلالت وضعیہ کے لحاظ سے وسعت دامن کی حامل ہے بلکہ اس نے شائقین نحو کو بہت زیادہ مصروف رکھا۔ اور نبی ﷺ سے قرآن کے اعراب کی تشویق کے لیے کلام مروی ہے، یعنی تلاوت قرآن کی کے وقت اس کے بیان اور الفاظ کی وضاحت کو مد نظر رکھا جائے۔ ابوالاسود الدولی کے قرآن پر نقاط لگانے کو "عربیت" کا نام دیا گیا اور علم نحو کے وسیع ترین معنی کی ادائیگی کے لیے ہے یعنی بولے جانے والے کلمہ کی آواز کی درست ادائیگی، صحیح بنیاد اور درست تراکیب دلالت کی فصاحت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور یہ سب کا سب عربیہ کہلایا۔ بیاں تک کو ہم خلیل احمد فراہیدی کے دور تک پہنچتے ہیں تو اسی علم کو اپنی بنیادوں پر کھڑا پاتے اور اس کا پرانا ڈھانچہ سماعی، قیاس اور تعلیلی اصولوں سے جامعیت پا چکا تھا۔ علم نحو کے تطور میں علماء کی ان کاوشوں کا بہت عمل دخل ہے جو انہوں نے قرآنی نصوص کی تفسیر میں اعجاز قرآن کو اقوال و آراء کے اختلاف کے باوجود ثابت کیا ہے اعجاز قرآن میں کہنے والے کی رائے کے بارے میں ہماری مراد یہ ہے کہ اس کے کلمات کی نظم اور آسالیب نے فصحاء کو عاجز کر دیا کہ وہ اس جیسا کلام لے کر آئیں شروع کی تفاسیر سے اس بات کا اظہار بہت واضح طریقے سے ہوتا ہے جن میں حضرت ابن عباس کی کاوشوں کا ذکر کرنا بجا ہو گا جو انہوں نے اپنی تفسیر میں کلمات کی دلالت کے لیے مفردات کو جس انداز سے پیش کیا اور شعر عربی کو استشہاد کا میدان بنایا۔ اور اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے:

"جب تم مجھ سے غرائب قرآن کے بارے میں جانتا چاہو تو اسے شعر عرب میں تلاش کرو کیونکہ شعر دیوان عرب ہے¹⁸۔"

اور حضرت ابن عباس کا مقام سیدنا بن ابی طالب کے بعد مفسرین صحابہ میں سرفہرست ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جن کے لیے نبی کریم ﷺ نے خود دعا کی تھی اور فرمایا تھا:

اللَّهُمَّ فَقِّهْ فِي الدِّينِ وَعَلِّمَهُ التَّأْوِيلَ¹⁹

"اے اللہ اے دین کی سمجھ عطا کر اور اس کی تاویل سکھا۔"

علماء کرام نے "اعجاز قرآن"، قرآن کے معانی، اس کے اعراب اور اس کی قراءات میں متعدد کتابیں لکھیں۔ اور یہ سب کی سب کتابیں لغوی تفسیر میں ایک گرانقدر اضافہ ہیں جیسے کہ نظم قرآن کریم، اور اس کے اعجاز میں جاحظ، علامہ خطابی، الامام جرجانی اور علامہ باقلانی وغیرہ نے بیش بہا کتب تالیف کیں۔ اور چونکہ قرآن پاک خالص واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور وہ لوگوں کے لیے وضاحت ہے۔ پس اعجاز قرآن پر مشتمل خدمات اور وہ کتاب جو جاحظ نے "البیان والتبيين" کے نام سے لکھی ہے، یہ سب علم بلاغت کے وہ بیج ہیں جس نے بعد میں ایک مستقل فن "علم البلاغہ" کا روپ

دھار لیا اور اس کی تین اہم ترین شاخیں ہیں یعنی علم المعانی، البیان اور البدیع۔ اس طرح بہت سی کتب مفرداتِ قرآن اور لغاتِ قرآن پر بھی لکھی گئی ہیں جن میں "الاشباه والنظائر"، "الانتباع"، "الامالئہ والادغام والوقف"، "التذکر والتانیث"، "المقصود والممدود"، "المؤتلف والمختلف"۔ اس کے علاوہ اس کے غرائب اور مفرداتِ القرآن کے نام سے کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔ اس کے بعد معاجم اور موسوعات اور فقہ اللغة کے نام سے کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ یہ تمام تصانیف عموماً عربی علوم میں لکھی گئیں۔ اس کے بعد خاص طور پر تیسری صدی میں تفسیر قرآن کے نام سے بے شمار تصانیف افکار کے اختلاف کے باوجود سامنے آئیں ان میں تفسیر ماثور کا اہتمام ہوا جو صحابہ اور تابعین کے اقوال پر مشتمل ہیں جن میں مختلف احکام کا استنباط کیا گیا اور اس کے ساتھ اعراب کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ چونکہ ان تفاسیر میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں جو کہ تحقیق کی محتاج ہیں اس لیے ان کو تفسیر بالماثور کا نام دیا گیا جن میں "تفسیر طبری"، "جامع البیان فی تفسیر القرآن"، وہ جن میں قرآن کے اسلوب کا اہتمام کیا گیا اور جس میں ان بلاغی مقامات کا ذکر کیا گیا جو اعجاز قرآن کو بیان کرتے ہیں جیسے زمخشری کی "الکشاف" وہ جن میں علم کلام اور منطق کے استدلال پیش کیے گئے ہیں جیسے تفسیر رازی "مفاتیح الغیب" ان میں وہ بھی ہیں جن میں لغوی دقائق اور علوم زیر بحث لائے گئے ہیں ان میں ابو حیان کی تفسیر بحر المحیط ابن عطیہ کی "الحرر الوجیز" علامہ طوسی کی "تفسیر التبیان" علامہ طبریس کی "مجمع البیان" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح علوم القرآن میں بھی ایسی تصانیف منظر عام پر آئیں جو کہ جامع العلوم ہیں جیسے "البرہان فی علوم القرآن" علامہ علی بن ابراہیم حونی کی "فنون الافنان فی عجائب علوم القرآن" علامہ ابن جوزی کی، جب کہ علامہ زرکشی کی "البرہان فی علوم القرآن" امام سیوطی کی "الاتقان فی علوم القرآن" اور عبد العظیم الزرقانی کی "مناہل القرآن فی علوم القرآن" خاص اہمیت کی حامل ہیں اور تمام کی تمام تفاسیر میں مفسرین کرام علوم لغویہ کی اہمیت کو موکد کرنے کے ساتھ اپنی معرفتِ علوم لغویہ کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ معرفتِ لغویہ دوسرے بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ معرفتِ لغوی دوسرے تمام علوم کے لیے ایک اہم ترین مدخل کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کا آغاز ہی مفردات، معانی صیغہ، تراکیب، اسالیب اور دلالات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور مفسر اس بات کا شدید محتاج ہے کہ اسے ان تمام علوم پر مہارت حاصل ہو۔ اور ایسا صرف لغوی معرفت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ان علوم کے استعمال اور ادائیگی پر عمدہ دسترس سے ثابت ہوتا ہے اور یہ مہارت وہ خاص صلاحیت ہے جو ہر شخص میں دوسرے کے مقابل میں کم یا زیادہ ہو سکتی ہے جیسے امام سیوطی نے "علم الموبہ کا نام دیا ہے

اور اس علم کا وارث اللہ اس شخص کو بناتا ہے جس کے پاس اپنے علم پر عمل ہو۔ اس کی طرف حدیث میں اشارہ بھی ملتا ہے کہ "من علم بہا علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم" (جس نے علم پر عمل کیا اللہ اسے اسے علم کا وارث بنائے گا جو وہ نہیں جانتا)۔²⁰

لغوی معرفت کی پیدائش

لغوی معرفت صرف مفسرین قرآن کی ہی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر فقیہ، اصولی، منطقی، فلسفی اور ادیب کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی قرآن کے مفسر کے لیے ضروری ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ یہ معرفت کیسے پیدا ہو؟ اور مفسر اپنے میدانِ تفسیر میں اس کا کس طرح استعمال کرے؟

مفسر کے لیے چند ضروری شروط وضع کی گئی ہیں جو قرآن کی تفسیر کرنے سے پہلے اس میں پائی جانی از حد ضروری ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علوم عربیہ سے واقف ہو۔ باوجود یہ کہ مفسرین قرآن علوم عربیہ میں ایک دوسرے سے علمی معرفت میں جدا جدا ہیں جس کی وجہ سے تفاسیر اور قراءات بھی جدا جدا ہیں اور وہ سب کے سب عربی علوم سے کام لے قرآنی نصوص سے استنباط کرتے ہیں اور اس کی تراکیب اور اسالیب کی معنوی دلالات کو مختلف انداز سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے مناسب یہ ہے کہ ہم یہ جانیں کہ وہ جو علم نحو یا لغت میں مشغول ہے آیا وہ قواعد کو حفظ کرنے والا ہے اور لغویین کے اقوال کو روایت کرنے والا ہے اور اس کی لغوی معرفت حفظ سے آگے نہیں بڑھتی یا وہ واقعی قواعد و اقوال کا استنباط اور اس کے احکام کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ بیشک قرآن کی معرفت لغویہ، اس کے اسالیب اور مفردات کا اہم کردار ہے جو مفسرین کی تفسیر میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کلمہ کبھی پوشیدہ ہوتا ہے کبھی ظاہر ہوتا ہے اس کا علم سیاق کلام میں تراکیب سے جانا جاسکتا ہے۔ کلمہ کی غرابت یا تو اس کے غیر مانوس ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے (اور ایسا قرآن میں نہیں ہے) اور یا وہ پوشیدگی یا احتمال کی وجہ سے غریب ہوتا ہے۔ یعنی کبھی وہ اپنے اندر ایک سے زیادہ معانی لیے ہوتے ہوتے ہوتا ہے۔ اور اس کا احتمال قرآنی نص میں ہے۔ جب کہ لغوی معرفت ان پوشیدگیوں کو کھولتی ہے اور اس کے سیاق کی معنوی دلالت کو سامنے لاتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن الارزق کے سوالات اس میدان میں مشہور ہیں۔ انہوں آپ سے شعر عرب سے استشہاد طلب کیا تاکہ ان پر معنی واضح ہو سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دلچسپی کی بنیاد پر اس کی وضاحت شعر سے کی جس طرح انہوں نے آپ سے تقاضا کیا تھا²¹۔ علماء نے غریب القرآن میں کئی کتابیں تالیف کیں جن میں ابن قتیبیہ، ابو بکر سبختانی اور ابو عبد الرحمن بن مبارک یزیدی کی "غریب القرآن" زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں غرابت کی انواع، اس کے مقام اور پوشیدگیوں بھی

بیان کیں 22۔ کبھی کبھی کسی کلمہ کی دلالتِ سیاق اس کی دلالتِ معجم سے بالکل جدا ہوتی ہے قرآن کا علمی میدان دوسرے میدان سے ہٹ کر ہے۔ وہاں قرآنی نظم، مختلف اسالیب اور انداز کی تاثیر کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے اسی لیے قرآن کے لغوی میدان میں مفسر قرآن کی گہری لغوی معرفت از حد ضروری ہے۔ اس میں خاص طور پر قرآنی کلمات کا استعمال اور مختلف جملوں میں انکا اندازِ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے مختلف ادوات کے استعمال سے دلالتِ اسلوب میں طرح طرح کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں حتیٰ کہ حقیقت مجاز کا روپ دھار کر بلاغت کے مختلف فنون میں جلوہ گر ہوتی ہے اور عبارت قرآن کی نئی خوب صورتیوں کو آشکارہ کرتی ہے۔

کلمات قرآنیہ اور اس کی خصوصیت استعمال

نص قرآنی میں استعمال ہونے والے کلمہ پر غور کرنے والا شخص اس کے تصورات میں اس حد تک آگے نکل جاتا ہے کہ وہ اس کے صوتی اثرات کو محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ ان خصوصیات پر بھی غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جہ ج وہ کلمہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔

کلمہ کی صوتی تاثیر اور خصوصیت استعمال

قرآن کلمہ کی تاثیر میں جو بات ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ اس کے لغوی معنی یا عرف عام میں استعمال کے دوران پائی جانے والی وہ موسیقی ہے جو سننے یا پڑھنے والے کے ذہن کے تاروں پر پڑ کر ایک نئی سُرا کا اس حساس جگاتی ہے²³ اور یہ احساس اس شعور سے جدا ہے جو لغوی بحث و تحقیق سے پیدا ہوتا ہے، اور اس تاثیر سے بھی ہٹ کر ہے جو ابنِ جنی نے لغت کی اصل کے ضمن میں اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد تفسیر نہیں ہے بلکہ ہماری بحث الفاظ کے اصل معانی سے ہے جو لغت میں وضع کیے گئے۔ خاص مقصد ان دلالات سے ہے جو الفاظ، ان کی اصوات، ان کی اضافت اور اٹل الہامی صفات، معانی کے سائے میں پیدا ہونے والے احساس اور معجمی معنی کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

کلمہ عربیہ کے استعمال کی ایک تاریخ ہے جو اس کی نشأت سے لے کر ترقی کے تمام ادوار اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اس کے استعمال نے اس کو زندگی بخشی، جب کہ عدم استعمال اس کی موت کی خبر لیے ہوئے ہے۔ ابنِ جنی نے اپنی کتاب "الخصائص" کے دوسرے جزء میں چار ابواب پر مشتمل ایک جامع موضوع میں "لفظ اور اس کے تعلق کو دلالت معنی اور آواز کی الہامی تاثیر

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ کلمات کی اصوات کی دلالت، اس کی معنوی حکایت تک، پر بحث کی۔ اس بحث کو ابن جنی سے قبل خلیل بن احمد فراہیدی بھی کلمہ "صر" اور "صر صر" کے معنی میں بیان کر چکا تھا²⁴۔

دور حدیث کے اہل لغت نے بھی لفظ اور اس کی دلالت جیسے اہم موضوع کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ابراہیم انیس، دکتور تمام حسین اور یورپین سکالرز یسر سن، اولمان وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں، نے اس پر بھرپور بحث کی ہے اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ معنی کی پیدائش نقل اور تقلید کے راستے آواز کے ذریعے ہوتی ہے کیونکہ اصوات کا اپنا وجود اور ایک خاص اہمیت ہے اور ہمیں اس میں اس حد تک مبالغہ نہیں کرنا چاہیے²⁵۔

ہم جانتے ہیں کہ ایک جدید و عمدہ نص کا ہدف اپنے مقصد کو ایسے کلمہ سے حاصل کرنا ہوتا ہے جو بہت قوی ہو، پر تاثیر ہو اور اثر انداز ہونے کے لیے گھٹیوں کی وہ موسیقی اس کے اندر پائی جاتی ہو جو فن کا تقاضا ہے تاکہ سننے والے کے کانوں سے ہوتا ہو وہ کلمہ سیدھا اس کے دل میں اتر جائے۔ قرآنی نص نے ایسے کلمات کا استعمال کیا ہے جو اپنے اندر پوری روحانی قوت رکھتے ہیں وہ ایسی اصوات پر مشتمل ہیں جو الہامی معانی سے نکل کر عرضی معنی پر بھی پوری طرح دلالت کرتے ہیں اور یہی وہ بصیرت ہے جو لغت کا اصل ہے اسی سے مبالغہ اور تضخیم کے معنی جنم لیتے ہیں جنہیں بھاری اصوات ادا کرتی ہیں اور ایسے کلمات جنم لیتے ہیں جو اصوات کے ساتھ مالوف ہوتے ہیں۔ جب ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ . وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرُ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ..²⁶

آیت کا سیاق کافروں کے بیان میں آگے بڑھتا ہے، وہ جہنم کی آگ میں انتہائی بے چینی اور دائمی عذاب میں چیخ (وہم یصطرخون) رہے ہیں۔ کلمہ یصطرخ عبارت میں ایک شدید قسم کی ہنگامہ خیز آواز کا معنی پیدا کرتا ہے اس لیے کلمہ ”یصطرخ اور یصرخ کے درمیان واضح فرق ہے۔ کلمہ (یصطرخون) کے اندر تین بھاری ترین آوازیں جمع ہیں وہ (الصاد) کی آواز، (الطاء) کی آواز جو کہ باب افتعال کی تاء سے منقلب ہے اور تیسری آواز (الحاء) کی آواز ہے اور ان تینوں آوازوں نے کلمہ ”یصطرخون“ کے اندر اس بھرپور قسم کی شدید ترین بھاری آواز کا زور پیدا کر دیا ہے جو جہنمیوں کے منہ سے دل دہلا دینے والی چیخوں کی صورت میں بلند ہوں گی۔

اور اس طرح کلمہ "صریح" آیت میں "وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ" ہے۔ صریح ایسے فریادی کو کہتے ہیں جو اپنے فریاد بر آوری کے لیے چیخ رہا ہو تاکہ فریاد سننے والا اس کی فریاد سنے۔ یہاں دو کلمے (الصاد اور الخاء) کا اجتماع در حقیقت دو بھاری بھر کم آوازوں کو ایک کلمہ میں جمع کر کے اس فریادی کی فریاد کو ایسی بلند آواز کی شدت دینا ہے جو اس کی فریاد کو آگے پہنچا سکے۔

اسی طرح کلمہ "ضمیزی" میں مبالغہ پیدا کیا گیا ہے جو نا انصافی کی تصور پیش کر سکے اسی طرح کلمہ "الصاخۃ" الحاقۃ، الطامۃ سجیل، عتل، زقوم، یدعون الی نار جہنم دعا، کی تشدید کلمات کے اندر شدت پیدا کر رہی ہے۔ ان تمام کلمات کا سیاق آیات کے اندر ایسے معانی کو جنم دیتا ہے جو معجم کے معنی کی طرف نسبت پاتے ہیں، ان کی آوازیں اور ان کی بنیادیں اپنی دلالت کے سائے میں نئے معانی کی تصویر پر پیش کرتی ہیں علم صرف کے علماء کا کہنا ہے کہ کلمہ کے اندر ہر اضافہ اس کے معنی میں ایک نیا اضافہ ہے۔

اسی طرح تکرار حرف (الکلمۃ) تکرار معنی کی دلالت ہے جیسے نص قرآنی میں کئی مقامات پر یہ تکرار معنوی الہامی معنی کو سامنے لاتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ²⁷

صلصال خشک مٹی کی آواز کو کہتے ہیں جس کو آگ نے نہ چھوا ہوا ہو۔ جب آپ اس مٹی کو کریدیں تو گھنٹیوں کی سی آواز پیدا ہوگی اور "صلصل صرصر" کی طرح ہے۔ دونوں کلموں کو اتنے حروف سے بنایا ہے جن کی آوازوں سے جتنے معانی درکار ہیں وہ ادا ہوتے ہیں بلکہ یہ وہ معنی ہے جو کلمہ وحی کرتا ہے، اس خاندان سے یہ حروف بھی ہیں جو مطلوب معانی کی ادائیگی کرتے ہیں جیسے: "کبکبوا، زلزلت الارض زلزالها، دمدم علیہم ربہم، خضخض الحق، والیل اذا عسعس، الذی یؤسوس" وغیرہ ہیں جو نصوص قرآنیہ میں الہامی معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

بیشک یہ وہ بصیرت ہے جو لغت کی اصل ہے جو نصوص قرآنی کو بلند ابداعی امتیاز فراہم کرتی ہے۔ اور یہ ظاہرہ اعجاز قرآن کے براہین میں سے ایک براہان ہے۔

کلمات قرآن کی خصوصیت استعمال

قرآن کلمات کی امتیازی صفت ان کا مختلف مفاہیم میں استعمال ہے اور یہ خصوصیت ہمیں ترادف کلمات، مشترک، متضاد

کلمات میں دکھائی دیتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لیے لغویین کا علیحدہ موقف ہے:

1. مسئلہ مترادف لغوی

اہل لغت یعنی لغویوں کے ہاں اس کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک جماعت وہ ہے جو لغت اور قرآن میں مترادف کی قائل ہے اور وہ ثابت کرتی ہے کہ ایک کلمہ کی معنوی ادائیگی کے لیے کئی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جب کہ دوسری جماعت اس کی انکاری ہے اور وہ ان الفاظ کے درمیان معنوی فرق کو اجاگر کرتی ہے اس دلیل کے ساتھ وہ اپنی رائے کو ثابت کرتے ہیں کہ کسی کلمہ کے لیے یہ مناسب ہی نہیں کہ وہ جس جگہ وارد ہوا ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ وارد ہوا ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ بھی اپنی ادائیگی کر سکے۔ اور پس قرآن کے اعجاز میں سے ہے۔ ہر ایک چیز کے لیے ایک نام ہوتا ہے جبکہ اس کے علاوہ جو مترادفات ہیں وہ اس کی صفات ہیں۔ جیسے سیف تلوار کا نام ہے جب کہ مہند، حسام، صارم وغیرہ اس کی صفات ہیں۔

جہاں تک مشترک معنوی کا تعلق ہے تو اس سے مراد ایک کلمہ کی دلالت بہت سے معانی کے لیے کی جاتی ہے۔ لغوی دان اس میں اختلاف رکھتے ہیں اور قرآن میں اس کا وجود نہیں مانتے۔ اس عنوان پر مقاتل نے "الاشباہ والنظائر"، ہارون بن موسیٰ نے "الوجوہ والنظائر فی القرآن" کے نام سے لکھی، جب کہ مبرد نے اپنی کتاب "ما انفق لفظہ واختلف معناه فی القرآن المجید" کے نام سے پیش کی اور یہ شرط لگائی ہے کہ قرآن نے جب کسی مشترک المعنی کلمہ کا استعمال کیا تو اسے صرف اپنے وضعی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس شرط سے ان کلمات کا دائرہ کار محدود ہو گیا جو لغویوں اور مصنفین کے ہاں مشترک المعنی کے تحت استعمال ہوئے۔

علامہ زرکشی نے "الوجوہ والنظائر" کے موضوع کو قرآنی علوم میں چوتھے نمبر پر رکھا ہے²⁸ اور "الوجوہ" کی اصطلاح پر بحث کرتے ہوئے اسے مشترک المعنی میں شمار کیا۔ اور اس کی اصطلاحی وضاحت مترادفات کلمات کے ذریعے سے کی، جبکہ بعض نے اسے معجزات قرآن میں شمار کیا ہے²⁹ اور ثابت کیا کہ ایک کلمہ بیس ۲۰ مختلف معانی کے لیے پیش کیا جاتا ہے، کچھ نے اس سے کم معانی میں اور کچھ نے اس سے زیادہ معانی کے لیے استعمال کیا ہے۔ جب کہ ایسا کسی انسانی کلام میں ممکن نہیں یہ صرف الہامی کلام کی خصوصیت ہی ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ یہ بات پہلے ذکر ہوئی ہے کہ قدیم اور حدیث لغویین لغوی مصطلحات ظواہر کے خلاف ہیں³⁰ کیونکہ وہ ان کے استعمال میں قرآن کریم میں مبالغہ کے وجود کو ثابت کرتے ہیں ان کی نظر میں مترادف ویسے نہیں جیسے لغویین ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ کلمہ "ہدی" کے ۷ معنی ہیں جن میں بیان، دین، ایمان، داعی، رسل، راستہ کتابیں، غایت وغیرہ ہیں³¹۔ اس کے علاوہ یہ کہ مترادف کا دائرہ مشترک لغوی سے وسیع ہے اور اکثر جن معانی کو لغویین نے مشترک کے زمرے میں ذکر کیا ہے وہ مجاز کے

زیادہ قریب ہیں، جیسے: (عین باصر) دیکھنے والی آنکھ (عیون الماء) پانی کے چشموں اور (أمة) لوگوں کی جماعت کے معنی میں اس کا استعمال قرآن میں معروف ہے جیسے کہ آیت میں ہے:

رَبَّنَا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا أمةً مسلمةً لك⁽³²⁾ اور أمةً بمعنی وقت : " واذکر بعد أمة " 33،

اور أمة بمعنی دین : " إنا وجدنا آباءنا علی أمة " 34

وہ تمام کلمات جو لغت کی کتابوں میں مشترک کے تحت ذکر کیے گئے ہیں وہ بھی قرآن میں معنی مشترک میں نہیں بلکہ معنی واحد میں ذکر کیے گئے جیسے کلمہ (خال) یہ قرآن میں صرف ایک ہی معنی میں استعمال ہوا ہے اور وہ ہے رشتے دار (ماموں) اور یہ 5 کی 5 مرتبہ ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح کلمہ (انسان) قرآن میں ۶۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور صرف ایک ہی معنی مراد ہے۔ اسی طرح مشترک المعنوی میں لکھی گئی کتابوں میں لفظ "ارض" کو کثیر المعانی کے ضمن میں ذکر کیا ہے جب کہ قرآن میں یہ ۵۰۰ پانچ سو مرتبہ آیا ہے³⁵ اور اسی معروف معنی زمین (ارض) میں آیا ہے۔ جہاں تک اضداد یعنی کلام میں دو متضاد معنی کے ظاہر کا تعلق ہے جسے لغویین نے کلمہ "عسعس" واللیل إذا عسعس ، بمعنی أقبل وأضاء وبمعنی أدبر⁽³⁶⁾ (آگے آئی اور پیچھے ہٹی)، کو متضاد المعنی میں ذکر کیا ہے³⁷۔

وکلمة (أسرّ) آية میں :

وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ³⁸

ایک مرتبہ اظہار کے معنی اور ایک مرتبہ إخفاء کے معنی میں ذکر آیا ہے۔ وکلمة (شری واشتری) بھی آیات میں اسی طرح آیا ہے جیسے کہ درج ذیل آیات میں مذکور ہے:

ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله³⁹ ، اور " وشروه بثمن بخس دراهم معدودة " 40، ولبئس ما

شروا به أنفسهم " اور⁴¹ " بثسما اشتروا به أنفسهم " 42 —

فراء نے کہا کہ عربوں کے ہاں "شروا اور اشتروا"، کبھی کبھی ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کلمہ "شروا" عرب زیادہ تر خرید فروخت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور "اشتروا" خریدنے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں،⁴³ اور کبھی کبھی دونوں کو فروخت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ ظواہر دلالت دہیں جنہیں لغوی دان قرآن میں ثابت کرتے ہیں اور یہ مظہر دلالت عربی لہجات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جسے لغویین نے جمع کر دیا جب کہ قرآن کا یہ مذہب نہیں ہے۔

کلمات قرآنیہ کے استعمال کے معاملے میں بہت زیادہ غور و فکر اور تدبر کی ضرورت ہوتی ہے نص قرآنی کے بعض کلمات کو لغویین نے وقتِ واحد میں مشترک معنوی اور مترادف کی بحث میں اکٹھے ذکر کیا ہے⁴⁴، جبکہ قرآنی کلمات میں اس طرح مطابقت معنوی اس لحاظ سے نہیں پائی جاتی کہ دو لفظ مترادف بھی ہوں اور مشترک بھی ہوں، کیونکہ قرآن کا ہر کلمہ دقیق معنی لیے ہوتا ہے اس لیے وہ دوسرے کے برابر نہیں ہوتا۔ یہاں ہم لغت کے ان چند کلمات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کا شمار لغویین نے مترادفات میں کیا ہے جیسے 1- زوج وامراۃ اور 2- قسم وحلف۔ یہ تمام مذکورہ کلمات مترادف نہیں ہیں اور نصوص قرآنیہ میں ان میں سے ہر کلمہ اپنے جدا جدا معنی میں استعمال ہوا ہے اور کسی ایک کا دوسرے سے کوئی معنوی قرب و مطابقت نہیں بلکہ سیاق کلام کی بنیاد پر ان سب کے معانی مختلف ہیں۔

1- زوج وامراۃ:

جہاں تک کلمہ "زوج وامراۃ" کے معنی مترادف کا تعلق ہے تو ظاہر آئیے ہم معنی دکھائی دیتے ہیں لیکن قرآن میں ان کا استعمال اس انداز سے ہوا ہے کہ ان کا ظاہری اختلاف کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ "زوج" کا کلمہ قرآن میں ہمیں بیوی اور ساتھی کے معنی میں ملتا ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے:

اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ⁴⁵

اور فرمایا:

لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا⁴⁶

پھر فرمایا:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ⁴⁷،

پھر فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ . وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ⁴⁸۔

اسی طرح زوج کی دلالت سورہ زخرف آیت 70 ، لیس آیت 56 اور فرقان کی ۷۴ آیت 74 میں محبت اور رحم کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔

جب کہ لفظ "امراة" قرآنی نصوص میں زوج کے معنی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کلمہ "امراة" قرآن میں محبت کی عدم موجودگی اور عقیدے کے فرق، خیانت اور بانجھ پن کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسے کہ اس کے شواہد درج ذیل فرمان باری تعالیٰ میں موجود ہیں۔

امراة العزيز تراود فتاها عن نفسه قد شغفها حبا⁴⁹ .. اور

قالت امراة العزيز الآن حصحص الحق أنا راودته عن نفسه.⁵⁰ اور

وضرب الله مثلاً للذين كفروا امراة نوح وامراة لوط كانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين فخانتاهما فلم

يغنيا عنهما من الله شيئاً⁵¹ اور

وضرب الله مثلاً للذين آمنوا امراة فرعون إذ قالت رب ابن لي بيتاً في الجنة ونجني من فرعون وعمله⁵²

جیسے ذکرِ یاعلیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا:

وإني خفت الموالی من ورائی وكانت امرأتی عاقراً فهب لی من لدنک ولیاً⁵³

اور نوح علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں یہ فرمان الہی:

وضرب الله مثلاً للذين كفروا امراة نوح" اور فرعون کی بیوی کے بارے میں یہ قول! " وضرب الله مثلاً للذين آمنوا

امراة فرعون إذ قالت رب ابن لي بيتاً في الجنة ونجني من فرعون وعمله.⁵⁴

ان دونوں آیات میں کلمہ (امراة) کی دلالت معنویہ ایک دوسرے سے مختلف ہے پہلی مرتبہ ایک نیک مرد کے ساتھ خیانت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور دوسری آیت میں دین کے فرق پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ مؤمنہ ہے اور فرعون کافر ہے۔ اور دونوں جگہ نص قرآنی میں (امراة) کا کلمہ آیا ہے نہ کہ زوج (ساتھی) کا اسی طرح عورت کے اندر زچگی کی قوت کے فقدان پر بھی (امراة) کا استعمال ہے⁵⁵ ” اسی طرح قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی (امراة) اسی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو عورت میں زوجیت کی صلاحیت کے خاتمے جیسے بانجھ پن سے ہو، چاہے بیوگی سے ہو، تو اس کے لیے کلمہ "امراة" استعمال ہوتا ہے نہ کہ زوج کا کلمہ۔ جیسے: (امراة ابراہیم اور امراة عمران اور امراة زکریا)⁵⁶۔ جیسے کہ ذکرِ یاعلیہ السلام گذشتہ آیت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ مجھے وارث عطا کر اور وہ اپنی دعا میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ "امراتی عاقر" یعنی وہ بچہ جننے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ لہذا جب اللہ ان کی دعا کو قبول کرتے ہیں تو بچے کی نوازش پر ان کی بیوی کے لیے زوجہ کا کلمہ استعمال کرتے ہیں، "فاستجبنا له ووهبنا له یحیی وأصلحنا له زوجہ"⁵⁷ جب وہ بانجھ (عاقر) تھیں تو امراة (عورت) کا لفظ استعمال ہوا اور جب تندرست ہوئیں

توزوج (ساتھی) کا کلمہ استعمال ہوا۔ جس سے دونوں کلمات کے جدا جدا استعمال کی معنوی حکمت ثابت ہوتی ہے لہذا یہ دونوں لفظ دلالت میں جدا جدا ہیں۔

2- اقسام و اُحلف

فعل (اقسم و حلف) یہ دونوں ظاہر میں مترادف ہیں لیکن ان کا معنوی فرق ان کی دلالت پر استعمال کے بعد کھل کر سامنے آتا ہے۔ پس فعل اقسام جس کا مصدر (قسم) ہے یہ سیاق کلام میں سچی قسم کے لیے اور قسم نہ توڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے⁵⁸ اسی لیے یہ نصوص قرآنی میں مسند کے مقام پر آیا ہے جس کا آغاز حرف لا سے ہوتا ہے جیسے کہ قولِ تعالیٰ ہے:

لَا أَقْسَمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ . وَلَا أَقْسَمُ بِالنَّفْسِ الْوَلَامَةِ . أَلِیَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ⁵⁹

اور لَا أَقْسَمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حَلْ بِهَذَا الْبَلَدِ⁶⁰

اور فَلَا أَقْسَمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ . وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ⁶¹

اور کبھی کبھی قسم کی سند ضالین (گمراہوں) کی طرف بھی ہوتی ہے جب سچ کا وہم ہو یا حقیقت کی معرفت میں خدشہ ہو جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَنْ جَاءَهُمْ آيَةٌ لِيُؤْمِنَنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ⁶²

اور یہ قول:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ مَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ⁶³

یقیناً فعل "اقسم" کا استعمال نصوص قرآنیہ میں دلالت کی جن حدود کے اندر استعمال ہوا ہے ان میں قسم کی سچائی، اس کی عظمت، یا سچ کے خدشہ اور وہم پر جو منافقین اور گمراہوں کی زبانوں پر ان کی قلعی کھلنے اور رسوائی سے قبل جاری ہو۔ (حلف) اور جہاں تک کلمہ حلف کے قرآنی استعمال کا تعلق ہے تو اس کی دلالت معنوی کلمہ "اقسم" کی دلالت معنوی سے جدا ہے۔ حلف اپنے سیاق کلام میں قسم توڑنے والے کے رویے کو ظاہر کرتی ہے اور یہ غالباً منافقین کو مسند ہوتی ہے جیسے کہ توبہ کی آیات میں ان کے نفاق کی حقیقت آشکارہ ہوئی۔ اور فرمان الہی ہے:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ⁶⁴

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتِ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ⁶⁵

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ⁶⁶
يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمَنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ⁶⁷

اسی طرح کلمہ (حلف) کی دلالت باقی آیات کریمہ میں بھی ہے⁶⁸۔

خلاصہ بحث

یہ تمام دلالت معنویہ ہمیں قرآنی الفاظ کے استعمال میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ جو کلمات فروق دلالت میں بطور مترادفات ذکر کیے جاتے ہیں وہ ہمیں اس اعتقاد کی دعوت دیتے ہیں کہ قرآن میں مترادف کلمات تو موجود ہیں، لیکن وہ ان عام معنی میں مستعمل نہیں ہیں جو مفسرین مراد لیتے ہیں۔ اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم قرآنی نصوص کی تفسیر کرتے ہوئے لغوی تطورات، الفاظ میں نیا پن و جدت اور دلالت مستعملہ پر غور کریں۔ مترادف معنوی تمام معاشروں میں ایک جیسے نہیں، کسی ایک معاشرے میں اگر مترادف اصل ہے تو دوسرے ماحول میں وہ صفات کلمہ ہو سکتی ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ کئی بیشی سے استعمال ہوتی ہیں، جسے ابن فارس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ یہ فروق لجات ہیں جو قریبی معنی میں دلالت کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور لغویوں نے لغت کے کلمات کو جمع و تقسیم کرتے ہوئے اسے مترادفات کی صنف میں شمار کیا ہے⁶⁹۔ بحر حال ان فروق دلالت کو پہچاننے کے لیے گہری نظر اور طویل مطالعہ کی ضرورت ہے اور اسی چیز کو ابو ہلال عسکری نے اپنی کتاب (الفروق الدلالية) میں، ابن الفارس نے اپنی کتاب (مقائیس اللغہ) میں، ابو العباس نے اپنی کتاب (صاحبی) میں، ابو علی الفارسی نے اپنی کتاب (التذکرۃ فی العلوم العربیہ) میں اور ابن دستور نے اپنی کتاب (شرح فصیح ثعلب) میں ذکر کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے، اس لئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے عربی زبان کے علوم میں مہارت بہت ضروری ہے۔ گویا قرآن کی تفسیر میں علوم عربیہ کی اہمیت اور کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حواشی و حوالہ جات

1 امام بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل (بیروت: دار طوق النجاة، 1422ھ) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث (4739)

- 2 السیوطی، جلال الدین، البرہان (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1987ء) 2: 389
- 3 السیوطی، جلال الدین، الاقنآن فی علوم القرآن (قاہرہ: السنۃ المصریہ عام الکتب، 1974ء) 2: 389
- 4 نفس مصدر 2: 399
- 5 البرہان 2: 181
- 6 سورۃ آل عمران 3: 7
- 7 الاقنآن 2: 3
- 8 البرہان 2: 170
- 9 نفس مصدر 2: 185 - 186
- 10 البرہان 1: 388
- 11 نفس مصدر 2: 171
- 12 سورۃ الانفال 8: 17
- 13 سورۃ التوبہ 9: 14
- 14 البرہان 2: 172
- 15 نفس مصدر 1: 380
- 16 البرہان 1: 385
- 17 الزبیدی، ابو بکر، طبقات النحویین واللغویین (قاہرہ: دار العلم، جیل، 1422ھ) ص: 1
- 18 الجزری، ابو الخیر شمس الدین محمد، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء (بیروت: مکتبہ ابن تیمیہ (س-ن) 1: 426
- 19 البرہان 2: 177
- 20 الاقنآن 2: 399
- 21 ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان، الإجاز البیان فی القرآن (لبنان: دار المعارف، 1987ء) 2: 289
- 22 الیزیدی، عبدالرحمان بن عبداللہ، محقق کتاب غریب القرآن وتفسیرہ (بیروت: عالم الکتب بیروت، 2000ء) مقدمۃ
- 23 ستیفن اولمان، ترجمہ ڈاکٹر کمال بشر، دور الکلمہ فی اللغہ (قاہرہ: مکتبہ الشباب، 1986ء) ص: 99
- 24 ابو الفتح عثمان بن جنی، الخصائص (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1952ء) 2: 152
- 25 ڈاکٹر ابراہیم انیس، دلالة الالفاظ (بیروت: مکتبہ الانجلیو المصریہ، 1980ء) ص: 68- 69

- 26 سورة فاطر 34:- 36- 37
- 27 سورة الحجر 15: 26
- 28 البرحان 1: 133
- 29 نفس مصدر 1: 134
- 30 السيوطي، جلال الدين، المزهر في علوم اللغة (بيروت: دار الفكر، 1400ھ) 1: 369
- 31 البرحان: 134- 135 --- الاثقان 1: 300- 301
- 32 سورة البقرة 2: 128، 134، 141، 143، 213 --- سورة آل عمران 3: 104، 110، 113
- 33 سورة يوسف 12: 45
- 34 سورة الزخرف 43: 22
- 35 المزهر في علوم اللغة 1: 387
- 36 سورة التکویر 81: 17
- 37 ابو جعفر النحاس، إعراب القرآن (بغداد: وزارة الاوقاف العراقية، 1977-1980ء) 3: 638
- 38 سورة يونس 10: 54
- 39 سورة البقرة 2: 207
- 40 سورة يوسف 12: 20
- 41 سورة البقرة 2: 102
- 42 سورة البقرة 2: 90
- 43 ابو زكريا الفراء، معاني القرآن (قاہرہ: دار الكتب المصرية، 1955ء) 1: 56
- 44 المزهر في علوم اللغة: 387- 389
- 45 سورة البقرة 2: 35
- 46 سورة الروم 30: 21
- 47 سورة آل عمران 3: 15
- 48 سورة النساء 4: 57
- 49 سورة يوسف 12: 30

50	سورۃ یوسف 12: 51
51	سورۃ التحریم 66: 10
52	سورۃ التحریم 66: 11
53	سورۃ مریم 19: 5
54	سورۃ التحریم 66: 10
55	الاعجاز البیانی: 229-230
56	نفس مصدر: 231
57	سورۃ الانبیاء 21: 90
58	الاعجاز البیانی: 221-222
59	سورۃ القیامۃ 75: 3-1
60	سورۃ البلد 90: 2-1
61	سورۃ الواقعة 56: 75-76
62	سورۃ الانعام 6: 10
63	سورۃ المائدۃ 5: 53
64	سورۃ التوبۃ 9: 26
65	سورۃ المائدۃ 5: 53
66	سورۃ التوبۃ 9: 42
67	سورۃ التوبۃ 9: 56
68	الاعجاز البیانی للقرآن: 221-222
69	المنہج فی علوم اللغۃ 1: 369